ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

اثر پذیری بنیادی مباحث، ارتباط واختلاف

Effectiveness, Basic Discussions: Differences and Correlations

ڈاکٹر سیدہ طیبہ رباب
:اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو گورنمنٹ گریجویٹ کالج برائے خواتین کارخانہ بازار فیصل آباد
ڈاکٹر جاوید اقبال:
ریسورس پرسن، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، فیصل آباد

Abstract
Every field of life is being influenced by the flow of life. From the beginning of life every field have accepted some impacts of another. With the passage of time, it has become the tradition to accept impacts. These can be positive and sometimes can be negative. Naturally every action have a reaction, even the moderation is also being affected by traditions. The human beings have different opinions according to their personalities, their circumstances, family backgrounds, their moral and social values. Someone's unique personality and genetic attitude, the both aspects have their own importance. It's proved psychological that every person accepts his environmental, genetic, cultural and religious impacts. Every family have some values and traditions which are reflected by the characters of that specific family, but the individual can also be a rebel. Someone can accept or reject the effects of his family or society. Every nation have a specific civilization which can be built by thousands of years history. Civilization is reflected by that nation's genius personalities or by their literary creations, their ethic, philosophy and arts. In the history of world, the geographical limits have been changed the civilizations. At this time, the two civilizations, eastern and western have their recognitions. The religious factor have a big impact consciously or unconsciously. History is also had its own impacts. The literature have main importance and central place in all above discussion as impacts are creatively mentioned in every literature. The great poets of every language reflect all these impacts in a thoughtful and poetic way in their poetry. In this article the effort is made to discuss all the impacts on human beings and especially on artists

Keywords: Effectiveness, Differences, Correlations, Biological, Psychological, Civilized, Historical, Geographical, Philosophical, Ethics, Conscious. Ideas, Poetry

ہر شعبۂ زندگی میں اثر قبول کرنا ایک بنیادی اور فطری امر ہے۔ ابتدائے آفرینش سے آج تک ہر انسان اور ہر شعبہ زندگی اثر پذیری کی روایت کے امین ہے۔ اثرات مثبت بھی ہوتے ہیں اور منفی بھی ہو سکتے ہیں اور روحانی بھی اور کسی بھی عمل کا ردِ عمل بھی اثر ہی کی صورت ہے۔ عمل نہ ہو تو ردِ عمل نہیں ہو سکتا۔ یہاں تک کہ جدت وندرت بھی قدامت کے اثر سے آزاد نہیں۔ قدامت نہ ہوتی تو جدت کا معیار کیسے متعین ہو سکتا تھا۔ آدم وحوا ایک دوسرے سے اثر پذیر ہوئے تو بنائے محبت پڑی جو آج تک قائم ہے۔ قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تو پریشان ہوا کہ اب اس کا کیا کروں۔ قدرتِ حق نے کوّے سے کوّا مروایا اور اسے زمین میں دفن کروایا تو قابیل نے بھی گویا کوّے کے عمل کا اثر قبول کیا اور ہابیل کو دفنا دیا۔ یوں اثر پذیری گویا کائناتی عمل میں بنیادی حیثیت کی حامل ہے جس سے مفر کسی صورت ممکن نہیں۔ البتہ کوئی بھی انسانی عمل ایسا نہیں جس کا متضاد موجود نہ ہو۔ یوں اثر پذیری کے مباحث بھی اختلاف وارتباط سے بھرپور ہیں۔ مختلف شعبہ ہائے زندگی میں اگر حیاتیاتی حوالے سے دیکھا جائے تو ہر جان دار اپنے ماں باپ سے اثرات لیتا ہے۔ انسان، حیوان، چرند پرند اور نباتات اپنی مخصوص ساخت رکھتے ہیں۔ اور اسی میں آگے بڑھتے ہیں، ہر مخلوق کی افزائش اس کے مخصوص طریقے پر ہوتی ہے لیکن جب یہ بحث انسان کے حوالے سے کی جائے تو ارتباط واختلاف کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ ہر بچہ شکل وصورت، خدوخال اور عادات واطوار میں اپنے ماں باپ کا اثر لیتا ہے، اس کا بلڈ گروپ ماں باپ سے متعلق ہوتا ہے۔ اسے والدین کے حیاتیاتی جینز منتقل ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ہر فرد کے انگلیوں کے پوروں کے نشانات منفرد ہوتے ہیں۔ گویا ہر انسان اثر پذیری کے ساتھ ساتھ اپنی انفرادیت بھی رکھتا ہے۔ اس بحث کو اگر مابعد حیاتیاتی نکتہ نظر سے دیکھا جائے تو ایک فرد اپنے پُرکھوں میں کسی صدیوں پرانے فرد کی عادت کا آئینہ دار بھی ہو سکتا ہے اور عین حال میں اپنے والدین کے یا والد اور والدہ میں سے کسی ایک کے بالکل برعکس بھی ہو سکتا ہے۔ بنظر غائر دیکھا جائے تو فرد کا باغیانہ رویہ بھی کسی خاندانی اور موروثی تاثیر کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اسلامی نکتہ نظر سے دیکھا جائے تو بچہ ذہنی طور پر شکمِ مادر میں ہی ماں کے اثرات لینا شروع کر دیتا ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

نفسیاتی حوالے سے دیکھا جائے تو ہر فرد اپنے خاندان اور ماحول کا اثر قبول کرتا ہے جس سے اس کی نفسیات تشکیل پاتی ہے۔ ہر خاندان کی کچھ مخصوص روایات اور رسم و رواج ہوتے ہیں، خاندان کا ایک علمی یا لاعلمی ماحول ہوتا ہے، کچھ خاندانی المیے اور کچھ طربیے ہوتے ہیں۔ کچھ ذہنی اور جذباتی رویے ہوتے ہیں۔ ہر فرد اپنے ماحول اور خاندان کا سفیر ہوتا ہے خواہ وہ بظاہر خاندانی روایات، رویوں اور طرزِ فکر و احساس کا باغی ہی کیوں نہ ہو۔ پھر بھی اس کی نفسیاتی شخصیت کی تشکیل کے کچھ پس پردہ اور کچھ ظاہری عوامل ہوتے ہیں جنھیں وہ شعوری یا لاشعوری طور پر قبول کرتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ خاندان کی کچھ مخفی خصوصیات کسی فرد میں کسی وقت ظاہر ہو جائیں اور کچھ موروثی عوامل جو کہ عیاں ہیں۔ اس کی نفسیات کے نہاں خانے میں چلے جائیں جو کسی فرد یا کسی اور وقت میں عیاں ہوں۔ یہ ایک پیچیدہ بحث ہے اتنی ہی پیچیدہ جتنا کہ خود انسان۔ انسانی نفسیات، اعلیٰ ماحول، علمی رجحان، نیز فکر و احساس کی ترقی اور گہرائی کے مطابق گہری اور لطیف ہوتی چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ نفسیات کے سوتے روحِ انسانی سے جا ملتے ہیں۔

اُردو نثر میں نفسیاتی اثرات کا حامل بہترین ناول ''امراؤ جان ادا'' ہے جس میں امراؤ جان ادا طوائف اور عورت کی نفسیاتی کشمکش میں مبتلا ہے جسے حالات طوائف بننے پر مجبور کر دیتے ہیں لیکن اس کے اندر فطری نسوانیت برقرار رہتی ہے۔ یہ تصادم اس کی تمام زندگی کو محیط ہے۔ لکھنوی تہذیب کی آغوش میں پروان چڑھنے والا یہ کردار اُردو ناول کا شاہکار کردار ہے۔ امراؤ جان ادا کے نفسیاتی کردار کی تشکیل میں مرزا ہادی رسوا نے تہذیب کے رنگ بھر دیے ہیں۔ اس کردار کی نفسیاتی کشمکش اس وقت ختم ہوتی ہے جب اجتماعی زندگی ایک نئے دور میں داخل ہونے کو ہے جو تہذیب کا دھارا بدل دے گی لیکن اس ناول میں لکھنوی تہذیب ہمیشہ زندہ رہے گی۔ ''رسوا نے طوائف کے کوٹھے کو عیاشی کا اڈا نہیں بنایا بلکہ ایک تہذیبی علامت کے طور پر پیش کیا ہے۔ لکھنؤ میں طوائفیت ایک جداگانہ دبستان تھی اور یہ ناول اسی دبستان کے اجڑنے کا قصہ ہے۔''(۱)

اُردو شاعری میں مرزا غالب کا کلام کثیر الجہات ہے۔ اس میں مرزا نے کہیں کہیں انسانی نفسیات کی عکاسی انتہائی خوبصورت انداز میں کی ہے۔ ''غالب کے تمام تو نہیں لیکن کچھ اشعار ایسے ہیں جن میں اس نے بعض امورِ زیست کے بارے میں انسانی نفسیات سے گہری واقفیت کا ثبوت دیا ہے۔''(۲)

بیسویں صدی میں میراجی کی شاعری کا نفسیاتی حوالہ اہم ہے۔ ماحول اور مذہب سے بغاوت نے میراجی کی شاعری کی نفسیاتی جہت کو اہم بنا دیا۔ ''میراجی نے جسم کو روح کی طرح تقدیس کا درجہ دیا۔''(۳) ''میراجی نے آدمی کے دکھتے ہوئے زخموں اور زنگ خوردہ جنسی جذبوں کی تطہیر کا فرض ادا کیا ہے۔''(۴) ''میراجی کے تخیل کی رنگینی اور بیان کی لطافت کے ایسے جواہر پارے ملتے ہیں کہ پڑھنے والا خواہ ان کی عظمت تسلیم نہ کرے لیکن ان کی محبوبی سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔''(۵) ''میراجی کی فطرت بچوں کی طرح معصوم تھی۔''(۶) ''وہ عام روش سے ہٹا ہوا غیر معمولی کردار کا حامل، باغی صفت، تجسس اور تحیر کا جہان معنی ساتھ لیے ممنوعہ علاقوں کی ڈسکوری کرنے والا شاعر تھا۔''(۷) انہوں نے اپنا رنگ روپ، اپنی شناخت تک بدل ڈالی، وہ روایات کی پابندیاں برداشت نہیں کرتے۔ ان کے ہاں جذبہ، گناہ نہیں، مقدس ہے۔ ''شاعر کا سفر ذات کے داخلی خلا کا سفر ہے۔ یہ سفر خود سے شروع ہو کر لاخود تک جاتا ہے۔ اس لیے اس کی کوئی منزل نہیں کہ لاشعور کی ہر جہت منزل نہیں بلکہ سنگِ نشاں ثابت ہوتی ہے۔ اس لیے تخلیق کار اور تخلیق کے نفسیاتی مطالعہ کی ضرورت پیش آتی ہے۔''(۸)

نفسیاتی عوامل کی تشکیل میں تہذیب و تمدن کا بھی اہم کردار ہے۔ انسانی تہذیب اپنی ایک تاریخ رکھتی ہے۔ تاریخ کے ہر دھارے پر تہذیب کی روایات تبدیل ہو جاتی ہیں اس میں کچھ نئے عوامل داخل ہوتے رہتے ہیں۔ ہر دور کی تاریخ اور سیاست تہذیب پر اثر انداز ہوتی ہے۔ یوں تہذیب کا دائرہ بہت وسیع اور اس کی جڑیں بہت گہری ہوتی ہیں۔ تہذیبی عوامل تاریخ سے یوں اثر پذیر ہوتے ہیں کہ جیسے ہی کسی قوم کی تاریخ کا دھارا بدلتا ہے جو کہ جنگ و جدل یا ہجرت کا نتیجہ ہو، تو بہت سے نئے عوامل اپنی پذیرائی کو تہذیب کے دامن میں پناہ لیتے ہیں اور رفتہ رفتہ غیر محسوس طریقے سے تہذیب کا حصہ بن جاتے ہیں۔ ہر خطے کی تہذیب میں کچھ جغرافیائی حدود ہوتی ہیں جو گردشِ ایام یا حالات و واقعات کے زیرِ اثر تبدیل ہوتی رہتی ہیں، یوں ہر تہذیب مختلف تہذیبوں سے اثر پذیر ہوتی رہتی ہے۔ جیسے ہندوستان کی تہذیب بدھ مت سے اثر پذیر ہوتی ہوئی آریائی، عربی، ترک، ایرانی و افغانی تہذیب سے اپنا دامن وسیع کرتی گئی۔

تہذیبِ انسانی جو کہ ہزاروں سال پرانی تاریخ رکھتی ہے۔ انسان غاروں کی تہذیب سے ہوتا ہوا موجودہ سائنسی ترقی کے دور تک پہنچا ہے جہاں آواز کی رفتار روشنی کی رفتار سے تیز تر ثابت ہو گئی ہے۔ انسان نے پتھر کے دور سے ایٹم کے دور تک بڑی محنت کی ہے۔ ہر نسل نے اپنی تحقیق و ترقی کی بنیاد، گزشتہ نسل کے کارناموں پر رکھی اور اپنے بزرگوں کا اثر قبول کرتی رہی ہے۔ گویا اثر پذیری ایک ناگزیر عمل ہے۔ ''کوئی تہذیب بھی بالکل خالص نہیں ہوتی۔ تاریخ کے موڑ پر اس کی کروٹیں، نئے میلانات اور رجحانات، نئی ٹیکنالوجی، ان سب کے اثرات پڑتے رہتے ہیں۔''(۹)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

اُردو شاعری میں میر تقی میر، مرزا غالب، اکبر و اقبال کے ہاں تہذیبی شعور بہترین صورت میں نظر آتا ہے۔ نثر میں قرۃ العین حیدر اور عبداللہ حسین کے ناول ''آگ کا دریا'' اور ''اداس نسلیں'' اہم ہیں۔

کسی قوم کا ادب، اخلاق، فلسفہ، قانون، علوم و فنون اور طرزِ حکومت بھی اس کی تہذیب کے عکاس ہوتے ہیں۔ یہ عوامل جس حد تک اپنی اصلی حیثیت میں کسی قوم پر اثر انداز ہوں اسی حد تک وہ قوم اور اس کے افراد مہذب قرار پاتے ہیں۔ مختلف ادوار میں تہذیبی قدریں تبدیلی سے ہمکنار ہو کر اپنے اثرات مرتب کرتی ہے اس طرح تہذیب کا دائرہ بدلتا رہتا ہے۔ تہذیب انفرادی اور اجتماعی زندگی کی اصلاح کرتی ہے۔ یہی تہذیبی قدریں کسی قوم کے رجحان کی نشاندہی کرتی ہیں کہ اس کا طرزِ فکر و احساس کیا ہے۔ دورِ حاضر میں دو بڑے تہذیبی رجحان دنیائے عالم میں مختلف اقوام پر اثر انداز ہو رہے ہیں وہ ہیں تہذیبِ مشرق اور تہذیبِ مغرب۔ تہذیبِ مشرق اپنی روحانی اقدار میں مثبت طور پر اپنا منفرد مقام رکھتی ہے لیکن ساتھ ہی منفی طور پر فرسودہ سماجی رسم و رواج کی پاسداری، سماجی استحصال اور آمرانہ طرزِ حکومت بھی اس تہذیب کا حصہ رہا ہے جبکہ فلسفہ، اخلاق، فنون اور علمی حوالوں سے تہذیبِ مشرق اپنی خاص پہچان رکھتی ہے۔ یہ تمام مثبت اور منفی رجحانات مشرقی اقوام کے ممتاز ترین افراد پر بھی اثر انداز ہوتے رہے اور وہ تہذیبِ مشرق کے منفی رجحانات سے اپنا دامن نہ بچا سکے یہاں تک کہ اگر کوئی شاعر یا مفکر تہذیبی عوامل سے بغاوت کرتا ہے تو بھی یہی عوامل اس کے رویے کے تشکیلی عناصر میں کارفرما ہوتے ہیں۔ اسی طرح تہذیبِ مغرب اپنے مثبت اوصاف، سماجی انصاف، آزادئ اظہار، شخصی آزادی اور جمہوری طرزِ حکومت اور منفی اقدار میں اخلاقی بے راہ روی، مادیت پسندی اور بین الاقوامی سطح پر سامراجی رویوں میں اپنی پہچان رکھتی ہے اور مغربی اقوام و افراد نہ چاہتے ہوئے بھی اسی تہذیب کی نمائندگی کرتے ہیں۔ یوں کسی قوم یا علاقے کی تہذیب اس کی زندگی میں اس طور پر شامل ہوتی ہے جو ان کی شناخت بن جاتی ہے۔ یہ تہذیبی رویے ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتے رہتے ہیں یہاں تک کوئی بڑی جغرافیائی تبدیلی تہذیب کے دھارے کو بدلنے پر مجبور نہ کر دے۔ اکبر و اقبال نے مشرق و مغرب کے تہذیبی تصادم کو فکری جہت سے ہمکنار کیا ہے۔ مثبت ہو یا منفی تہذیبی اثر پذیری سے انکار یا مفر ممکن نہیں۔۔۔ مذہبی اثرت پر غور کیا جائے تو یہ کسی تہذیب میں رچ بس جاتے ہیں جیسے مشرقی تہذیب میں حیا کا تصور ہے اسی باعث دوپٹہ خواتین کے لباس کا حصہ ہے۔ اذان سُن کر دوپٹہ اوڑھنا، ہماری تہذیب ہے، لیکن تہذیب اکملیت کا تصور نہیں دیتی۔ صرف مذہب کی عکاسی کرتی ہے۔ مکمل تصور، مذہب دیتا ہے۔ مذہب پردے کی حدود متعین کرتا ہے جبکہ تہذیب صرف دوپٹہ اوڑھنا سکھاتی ہے۔ مذہبی اثرات بھی اسی اثر پذیری کی بحث کا حصہ ہیں۔ جو شعوری اور لاشعوری طور پر کام کرتے ہیں۔ ہر قوم کی زندگی میں اس کے مذہب کا دخل موثر ہوتا ہے۔ خواہ وہ قوم دانستہ اپنی زندگی میں مذہب کو دخیل رکھے یا نہیں۔ مذہب پر عمل پیرا ہو یا باغی، شعوری یا لاشعوری طور پر، زندگی میں اس کا مخصوص مذہب کارفرما ہوتا ہے۔ یہی حالت انفرادی سطح پر بھی قابلِ غور ہے۔ افراد مذہب پر عمل یا اس سے فرار میں بہر حال مذہبی روایت کی پیروی یا بغاوت کر رہے ہوتے ہیں۔ مذہب سے بغاوت بھی ایک اثر ہے خواہ منفی ہی کیوں نہ ہو۔ مثال کے طور پر اگر کسی مسلمان کمیونسٹ شاعر کا کلام دیکھ لیں تو اس نعت و سلام کے نمونے ضرور نظر آئیں گے۔ اس طرح مذہب غیر محسوس طریقے سے اثر انداز ہوتا ہے۔ کسی بھی قوم کا ادب اس کی تہذیب و ثقافت، علوم و فنون اور تاریخ و مذہب سے اثر پذیر ہوتا ہے۔

اُردو شاعری مذہبی اثرات کے عمدہ نمونے پیش کرتی ہے۔ حمد، نعت، منقبت اور مرثیہ کے علاوہ اُردو غزل مذہبی تلمیحات و استعارات سے لبریز ہے۔ اُردو نثر ابتدا ہی سے مذہبی اثرات کی حامل ہے۔ صوفیانہ نثر جہاں سے اُردو نثر کی ابتدا ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں ''باغ و بہار'' ڈپٹی نذیر احمد کے ناول جدید نثر میں بانو قدسیہ، اشفاق احمد اور بہت سے مصنفین اس کی عمدہ مثال ہیں۔ تاریخ کے حوالے سے دیکھا جائے تو شاعری میں حالی اور اقبال اور ناول میں عبدالحلیم شرر اور نسیم حجازی کے ہاں تاریخ کو شعر و نثر کے ادبی پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ ''ادیب لاکھ انفرادیت پسند ہو اور اس انفرادیت کے اظہار کے لیے ہر نوع کی آزادی کا طالب بھی کیوں نہ ہو، لیکن اس کے باوجود وہ اپنے زمانے کے مخصوص تاریخی حالات کے نفسیاتی اثرات سے بچ نہیں سکتا۔''(۱۰)

مختلف شعبہ ہائے زندگی میں ادب کا دائرہ بہت وسیع ہے بلکہ یوں کہا جائے کہ ادب تمام شعبہ ہائے زندگی کو محیط ہے تو بے جا نہ ہو گا۔ ادب زندگی کا ترجمان ہے لہٰذا اسی قدر وسعت کا امین ہے جس قدر کہ زندگی، ادبِ نفسِ انسانی کا عکاس ہے۔ نفسِ انسانی جو کہ کائنات کی سب سے خوبصورت، سب سے اہم، سب سے حساس اور سب سے طاقتور اکائی ہے۔ انسان کا وجود، اس روحِ کل کا جزو ہے جو پوری کائنات پر حاوی ہے اور اس سے ماوریٰ بھی۔ انسان کی عظمت اسی روحِ لطیف کی ترقی و ترفُّع پر منحصر ہے نہ کہ مادیت یا مادی ترقی پر۔ کسی بھی قوم کا ادب، لطیف جذبات و احساسات اور افکار و تخیلات کا امین ہوتا ہے۔ ادب ہر قوم کی تہذیبی، اخلاقی، معاشرتی اور مذہبی روایات کا بھی امین ہوتا ہے۔ کسی قوم کی انہی روایات کو جانچنے کا بہترین پیمانہ ادب ہے۔ یوں ادب کا دائرۂ کار نفس سے آفاق تک پھیلا ہوا ہے۔ اسی باعث ادب، تہذیبِ نفس اور تہذیبِ زندگی سیکھنے کا ایک حسّاس اور فطری وسیلہ ہے۔ اثر پذیری کی بحث میں قابلِ غور بات یہ ہے کہ ادب کن عوامل سے اثر پذیر ہوتا ہوا ظہور میں آتا ہے۔ ماضی کا فن ہر زمانے کے بدلتے ہوئے شعور کے ساتھ نئے انداز میں تخلیق پاتا ہے، گویا موجودہ فن ماضی کے فنون کی بازگشت اور جدید صورت ہے جس میں اپنے زمانے کے شعور کے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

ساتھ روایت کا تسلسل موجود ہے۔"زندگی کے ہر شعبے کی تاریخ پر نظر دوڑایے، آپ کو ایک مثال بھی ایسی نہ ملے گی جہاں نئے لوگوں نے اپنے ماضی سے مدد نہ لی ہو۔ ان بنیادی باتوں سے استفادہ نہ کیا ہو، جن کی حیثیت ابدی ہو۔ ان خیالات کو شمعِ راہِ نہ بنایا ہو جن کا مرتبہ زندگی میں بنیادی حیثیت رکھتا ہو۔ ان قدروں کو نمونہ نہ بنایا ہو جو اسلاف سے ان تک پہنچی ہوں۔ ماضی کا رنگ چاہے وہ کتنا ہی ہلکا ہو، حال اور مستقبل میں ضرور ملے گا۔"(۱۱) کسی بھی معاشرے کی بقا میں اس کے فنکار اور دانشور طبقے کا بنیادی کردار ہوتا ہے۔ان کے نظامِ فکر میں نفس انسانی کے گہرے مطالعے سے لے کر قوم کے مذہب، ثقافت، تہذیب و تمدن اور تاریخ و سیاست کے تمام مراحل طے ہوتے ہیں جو آنے والے دور کے نظامِ فکر میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں جس کی بدولت ماضی کا نظامِ فکر مستقبل کی بنیاد بنتا ہے، جس پر آنے والے دور میں عمارت تعمیر ہوتی ہے اور وہی عمارت پھر اپنے مستقبل کی بنیاد بنتی ہے۔اسی طرح قوموں کے مستقبل کی تاریخ رقم ہوتی ہے۔ایک سچا فن کار صاحبِ بصیرت ہوتا ہے جو نہ صرف اپنے زمانے بلکہ آنے والے دور کا بھی نبّاض ہوتا ہے۔اس کی نبّاضی کا دائرۂ نظر اس کی فکری صلاحیت پر منحصر ہوتا ہے۔وہ آنے والے دور کی فکری عمارت کو مسالا فراہم کرتا ہے۔ جس سے استفادہ کیے بغیر مستقبل کا معمار فکری عمارت تعمیر کر ہی نہیں سکتا۔ عمدہ ادب میں یہ صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہوتی ہے وہ آنے والے دور کے شعور و لاشعور تک رسائی رکھتا ہے:

کھول کر آنکھیں مرے آئینۂ دیدار میں
آنے والے دور کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ(۱۲)

"شاعری کا تعلق ان جذبات و احساسات سے ہے جو انسان کی داخلی و خارجی کائنات کے عمل اور ردِ عمل کے نتیجے میں قلبِ انسانی کی اتھاہ گہرائیوں میں پلتے رہتے ہیں جن کو قدیم اصطلاح میں تخیل اور اس کی معاون قوتوں کا فعل کہا جاتا تھا اور نفسیات کی جدید اصطلاح میں شعور اور لاشعور کا عمل سمجھا جاتا ہے۔اس عمل اور فعل کی وسعتیں لامحدود اور بے پایاں ہیں۔ یہ وسعتیں عقل و خرد سے بھی ناپی جاتی ہیں لیکن ان میں کچھ مقامات ایسے بھی آجاتے ہیں جہاں عقل کی رہنمائی کام نہیں دیتی۔اس مقام پر ذوق و وجدان انسان کے رہنما بنتے ہیں اور حیات و کائنات کی جو گتھیاں عقل و خرد سے نہیں کھل سکتیں، ان کو یہ چشم زدن میں وا کر دیتے ہیں۔۔۔!"(۱۳)

ایک شاعر ماضی کے شعرا سے کس طرح اثر پذیر ہوتے ہوئے بھی اپنی انفرادیت رکھتا ہے یہ اثر پذیری میں ارتباط و اختلاف کی عمدہ مثال ہے۔ کوئی فن کار محض نقالی یا اثر پذیری سے عمدہ فن تخلیق نہیں کر سکتا ہے۔ تخلیق ہمیشہ باطنی تحلیل کا ثمر ہوتی ہے، لیکن کوئی شخصیت انسانیت اور معاشرے سے کٹ کر تشکیل نہیں پاتی۔اس کا ماحول، خاندانی حالات، معاشرے کے سیاسی اور تہذیبی عوامل، اس کا مذہب اور اخلاقی معیار، اس کے فکر و احساس معاون و محرک ہوتے ہیں۔ گویا ماضی کی روایت سے اثر پذیری ناقابلِ تردید حقیقت ہے یہاں ایلیٹ کا تصورِ روایت قابلِ ذکر ہے۔"شاعر اور اس کے پیش روؤں اور بالخصوص اس کے قریبی پیش روؤں میں جو فرق ہے اس پر ہم اطمینان کا اظہار کرتے ہیں اور خاص طور پر ان خصوصیات کی تلاش کرتے ہیں جو اس شاعر کو دوسرے شاعروں سے الگ اور ممتاز کرتی ہیں تاکہ اس فرق سے لطف اندوز ہوا جا سکے۔ لیکن اس کے برخلاف اگر ہم کسی شاعر کا مطالعہ بغیر اس تعصب کے کریں تو ہم اکثر یہ محسوس کریں گے کہ اس کی شاعری کے نہ صرف بہترین بلکہ منفرد ترین حصے بھی ایسے ہیں جن میں مرحوم شعرا اور اس کے اسلاف، اپنی "لافانیت" کو زیادہ شدت کے ساتھ ظاہر کر رہے ہیں۔ یہاں پر میری مراد شباب کے زمانے (کی شاعری) سے نہیں ہے۔جب شاعر ہر بات کا اثر قبول کرتا ہے بلکہ مکمل پختگی کے زمانے (کی شاعری) سے ہے۔"(۱۴)

اُردو زبان میں شاعری کی روایت کا جائزہ لیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ اُردو شاعری میں ایک مشاعرے کی روایت بھی موجود ہے۔ جو تمام ہم عصر شعرا کو باہم مربوط رکھتی ہے۔ان شعرا میں مذہبی اور تہذیبی عوامل ایک قدرِ مشترک کے طور پر موجود ہیں۔ ہندو مسلم شعرا میں مذہبی اثرات بھی دونوں مذاہب کے شعرا نے ایک دوسرے کے مذہب سے قبول کیے ہیں۔ فکری عناصر کے ساتھ ساتھ جذباتی کیفیات کی ترسیل و تاثیر ایک فطری عمل ہے چونکہ بنی نوعِ آدم کے تشکیلی عناصر ایک ہیں اس لیے انسانی فطرت بھی ایک ہے اس حوالے سے دیکھا جائے تو تمام عالم کے ہر زبان و ادب کی شاعری باہم اثر پذیری سے تعبیر ہے جسے انسانی شخصیت کی انفرادیت ایک دوسرے سے ممتاز کرتی ہے۔"کوئی شاعر کوئی فنکار، خواہ وہ کسی بھی فن سے تعلق رکھتا ہو تن تنہا اپنی کوئی مکمل حیثیت نہیں رکھتا۔اس کی اہمیت اور اس کی بڑائی اسی میں مضمر ہے کہ پچھلے شعرا اور فن کاروں سے اس کا کیا رشتہ ہے؟ الگ رکھ کر اس کی اہمیت متعین نہیں کی جا سکتی۔اسے پچھلے شعرا اور فن کاروں کے درمیان رکھ کر تقابل و تفاوت کرنا ہو گا۔"(۱۵)

یہاں تک کہ فکری عناصر بھی اثر پذیری کی روایت کے حامل ہیں۔انسانی اذہان کی رسائی کی سطح، بُعد البحرین کے باوجود انھیں باہم مربوط کر لیتی ہے۔ایک بیدار انسان زینہ بہ زینہ کسی فکری منزل پر پہنچتا ہے تو وہاں پہلے سے موجود انسانوں سے اپنی فکری ہم آہنگی پا کر مسرت سے ہمکنار ہوتا ہے۔ گویا اس کے فکری تجربے کی تصدیق ہو

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

جاتی ہے۔ایسے تجربات ایک عالمگیر فکری ہم آہنگی کو جنم دیتے ہیں جو ذہنِ انسانی کے لیے فکری انبساط کا سامان فراہم کرتی ہے۔کیونکہ ایسی صورت میں اس یقین کو تقویت ملّتی ہے کہ انسانیت جسدِ واحد کی طرح باہم مربوط ہے۔نیز ساری انسانیت کا مقصدِ تخلیق، بلا تمیزِ مذہب و ملت، ایک ہی ہے۔شاہراہیں مختلف ہوں لیکن اس سفر کی منزل ایک ہے۔یہ روایت کا سفر ہے ٹی ایس ایلیٹ کے نزدیک روایت سے مراد تکرار نہیں بلکہ یہ ماضی، حال اور مستقبل کو ایک لڑی میں پرونا ہے۔روایت فکر و فن کے سفر کو آگے بڑھاتی ہے۔جمیل جالبی کے مطابق:

> ''تاریخِ ادب کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ہر فن اور ہر عمل جدت سے شروع ہوتا ہے لیکن اس جدت کے پس منظر میں ایک روایت ضرور ہوتی ہے اس کے بغیر ''جدت'' بے معنویت کا شکار ہو جاتی ہے۔ہومر سے پہلے کی کوئی شاعری ہمارے سامنے نہیں ہے اور اسی لیے ہم ہومر کو تاریخ ادب کا پہلا شاعر مانتے ہیں لیکن اس کی شاعری کے مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہومر سے پہلے بھی شاعری کی یقیناً کوئی بڑی روایت موجود تھی جس کی وہ تکمیل کرتا ہے۔ہومر کی یہی روایت جب آگے بڑھ کر ورجل تک پہنچتی ہے تو وہ اسے ایک نیا روپ دیتا ہے۔''(۱۶)

تاریخی موضوعات اور تاریخی حقائق انسانیت کے باشعور افراد پر گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں۔یہ اثرات جب تخلیقی عمل میں ظہور پاتے ہیں تو مستقبل کا شعور راہ پاتا ہے۔جب شاعر کا شعور ماضی کے حقائق کی بصیرت حاصل کرتا ہے تو اس کے جذبات و احساسات کی آنچ اس شعور کو پختہ تر کر دیتی ہے اور جب یہ تخلیقی عمل سے گزرتا ہے تو عظیم فن تشکیل پاتا ہے۔ایسا فن جو مستقبل میں منتقل ہونے کو بے قرار ہے ہر جینئس مفکر، دانشور یا شاعر اپنے اندر مستقبل کی تاریخ کا شعور رکھتا ہے جسے وہ کبھی دانستہ اور کبھی نادانستہ طور پر رقم کرتا ہے۔یوں ماضی حال اور حال مستقبل پر اثرات انداز ہوتا رہتا ہے۔عظیم شاعر کے فن میں وقت، قیدِ مکاں سے آزاد، لامکاں کی وسعتوں کے صحرا میں بادیہ پیمائی کرتا ہے۔

یہی شعورِ وقت ماضی، حال اور مستقبل سے آزاد ایک وسیع اور عمیق تر تصورِ عمرانیات کی بنیاد ہے جس میں جدید و قدیم کی بحث کو اقبال نے کم نظری سے تعبیر کیا ہے۔روایت بھی قیدِ زماں سے آزاد ہے۔تہذیب کا بدلتا ہوا دھارا اس کا معدن ہے ''روایت کا سرچشمہ تہذیب و تمدن ہے اور تہذیب و تمدن سماج سے وابستہ ہے۔اس لیے روایت پر سماج کی تحریکوں، رجحانوں، عمل اور ردِ عمل کا گہرا اثر ہوتا ہے اور روایت بھی سماج کے ارتقا اور ابتدا سے وابستہ ہے۔''(۱۷) روایت کو لمحات میں قید نہیں کیا جا سکتا۔ تخلیقی تسلسل کی پختگی روایت کو جنم دیتی ہے۔ایک تخلیق کار مستقبل کی تخلیقات کے لیے نئی راہیں متعین کرتا ہے۔جو آنے والوں کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوتی ہیں۔ روایت کی عمارت سے کسی ایک تخلیق کار کی کاوش نکال دی جائے تو اس میں خلا پیدا ہو جاتا ہے۔روایت کی پختگی اس امر کی دلیل ہے ہر دور کے نت نئے تجربات و مشاہدات اسے ثابت کر چکے ہیں۔''روایت یوں بنتی اور بدلتی ہے جب سینکڑوں شاعر برسوں تک اپنے خونِ جگر سے روایت کے درخت کی آبیاری کرتے ہیں تب جا کر کہیں تخلیق کا ایک سدا بہار پھول کھِلتا ہے، جسے کوئی ولی کہتا ہے کوئی حافظ، سعدی، میر، غالب اور اقبال کہتا ہے۔''(۱۸)

کوئی نابغہ روزگار اچانک وجود میں نہیں آجاتا بلکہ اس کے پیچھے صدیوں کا سفر کارفرما ہوتا ہے۔انسانیت زینہ بہ زینہ اپنی منزل کی طرف گامزن رہتی ہے اور منزل بہ منزل نت نئے انکشافات ہوتے چلے جاتے ہیں۔انسانیت کا اجتماعی لاشعور زمان و مکاں سے ماوریٰ فکر و فن کے ظہور، اس کی نمو میں بے قرار رہتا ہے اور وقت آنے پر کسی عظیم فنکار کے شعور میں ظہور پاتا ہے، جس طرح آبشاروں کا حُسن چاندنی جیسے شفاف ندی نالوں سے ہوتا ہوا بحرِ بیکراں کی وسعتوں میں کھو جاتا ہے بالکل اسی طرح بہت سے عظیم سُخن کار زمانی حدود کو پھلانگتے ہوئے کسی جامع صفات فنکار میں کھو جاتے ہیں، اپنا فن اس کے فن میں سمو دیتے ہیں اور پھر اس کی آواز ان سب کی آواز بن جاتی ہے جو ان صداؤں کی بازگشت بھی ہے اور اپنی الگ شناخت بھی رکھتی ہے۔سو اثر پذیری کی بحث میں ارتباط و اختلاف دونوں کی اہمیت مسلم ہے۔

حوالہ جات

1. سلیم اختر، ڈاکٹر، اُردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۶ء، ص: ۲۱۲
2. سلیم اختر، ڈاکٹر، شعور اور لاشعور کا شاعر غالب، لاہور: فیروز سنز، س ن، ص: ۱۱
3. جمیل جالبی، ڈاکٹر، میر اجی کو سمجھنے کے لیے، مشمولہ: تنقید اور تجربہ، کراچی: مشتاق بک ڈپو، ۱۹۶۷ء، ص: ۱۵۶
4. ساقی فاروقی، صرف چار شاعر، مشمولہ: نیا دور، کراچی: شمارہ نمبر ۲۷۔۲۸، ص: ۸۵
5. وقار عظیم، میر اجی کی تنقید، مشمولہ: ماہِ نو، کراچی: اگست ۱۹۵۲ء، ص: ۴۰
6. سعادت حسن منٹو، تین گولے، مشمولہ: گنجے فرشتے، لاہور: مکتبہ جدید، ۱۹۶۵ء، ص: ۶۶
7. انیس ناگی، ڈاکٹر، میر اجی ایک بھٹکا ہوا شاعر، لاہور: پاکستان بکس اینڈ لٹریری ساؤنڈز، ۱۹۹۱ء، ص: ۱۵

8. سلیم اختر،ڈاکٹر،شعور اور لاشعور کا شاعر غالب،ص:۲۰
9. آل احمد سرور،پروفیسر،اردو اور ہندوستانی تہذیب،مشمولہ:غالب نامہ،دہلی،جلد نمبر ۴،شمارہ نمبر ۱،غالب انسٹی ٹیوٹ،۱۹۸۶ء،ص:۱۲
10. سلیم اختر،ڈاکٹر،نفسیاتی تنقید،لاہور:مجلس ترقی ادب،۱۹۸۶ء،ص:۲۳۹
11. عبادت بریلوی،ڈاکٹر،روایت کی اہمیت،کراچی:انجمن ترقی اردو پاکستان،۱۹۵۲ء،ص:۶۱
12. اقبالؒ،کلیاتِ اقبال(اُردو)،لاہور:اقبال اکادمی پاکستان،۱۹۹۰ء،ص:۲۹۶،۲۸۰
13. غلام حسین ذوالفقار،ڈاکٹر،اردو شاعری کا سیاسی اور سماجی پس منظر،لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۸ء،ص:۳۳۔۳۴
14. جمیل جالبی،ڈاکٹر،ارسطو سے ایلیٹ تک،اسلام آباد:نیشنل بک فاؤنڈیشن،۲۰۱۵ء،ص:۴۹۰
15. جمیل جالبی،ڈاکٹر،ایلیٹ کے مضامین،دہلی:انجمن ترقی اردو ہند،۱۹۷۸ء،ص:۱۸۵
16. خاور جمیل،مرتبہ:ادب کلچر اور مسائل،نئی دہلی:غالب انسٹی ٹیوٹ،۱۹۹۸ء،ص:۹۲
17. اشتیاق احمد،جدیدیت کا تنقیدی تناظر،لاہور:بیت الحکمت،۲۰۰۶ء،ص:۱۷۴
18. جمیل جالبی،ڈاکٹر،تاریخ ادب اردو،جلد دوم،لاہور:مجلس ترقی ادب،۲۰۰۵ء،ص:۲۹۷

ماخذات

1. اشتیاق احمد،جدیدیت کا تنقیدی تناظر،لاہور:بیت الحکمت،2006ء
2. اقبال،کلیات اقبال(اردو)،لاہور:اقبال اکادمی پاکستان،1990ء
3. انیس ناگی،ڈاکٹر،میراجی ایک بھٹکا ہوا شاعر،لاہور:پاکستان بکس اینڈ لٹریری ساؤنڈز،۱۹۹۱ء
4. آل احمد سرور،پروفیسر،اردو اور ہندوستانی تہذیب،مشمولہ:غالب نامہ،دہلی:جلد نمبر 4،شمارہ نمبر 1، غالب انسٹیٹیوٹ،1986ء
5. جمیل جالبی،ڈاکٹر،ایلیٹ کے مضامین،دہلی:انجمن ترقی اردو ہند،1978ء
6. جمیل جالبی،ڈاکٹر،تاریخ ادب اردو،جلد دوم،لاہور:مجلس ترقی ادب،2005ء
7. جمیل جالبی،ڈاکٹر،میراجی کو سمجھنے کے لیے،مشمولہ:تنقید اور تجربہ،کراچی:مشتاق بک ڈپو،۱۹۶۷ء
8. جمیل جالبی،ڈاکٹر،ارسطو سے ایلیٹ تک،اسلام آباد:نیشنل بک فاؤنڈیشن، 2015ء
9. خاور جمیل،ادب کلچر اور مسائل،نئی دہلی:غالب انسٹیٹیوٹ، 1998ء
10. ساقی فاروقی،صرف چار شاعر،مشمولہ:نیا دور،کراچی:شمارہ نمبر ۲۷۔۲۸
11. سعادت حسن منٹو،تین گولے،مشمولہ:گنجے فرشتے،لاہور:مکتبہ جدید،۱۹۶۵ء
12. سلیم اختر،ڈاکٹر،شعور اور لاشعور کا شاعر غالب،لاہور:فیروز سنز،س ن
13. سلیم اختر،ڈاکٹر،اُردو ادب کی مختصر ترین تاریخ،لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز،۱۹۸۶ء
14. سلیم اختر،ڈاکٹر،نفسیاتی تنقید،لاہور:مجلس ترقی ادب،۱۹۸۶ء
15. عبادت بریلوی،ڈاکٹر،روایت کی اہمیت،کراچی:انجمن ترقی اردو پاکستان،1952 ء
16. غلام حسین ذوالفقار،ڈاکٹر،اردو شاعری کا سیاسی و سماجی پس منظر،لاہور:سنگِ میل پبلیکیشنز،2008ء
17. وقار عظیم،میراجی کی تنقید،مشمولہ:ماہِ نو،کراچی:اگست ۱۹۵۲ء